قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین
کا اجمالی تجزیہ

از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ
ترتیب وتدوین: سید برہان علی۔ خالد محمود خضر

سُورۃُ الرُّوم

یہ سورۂ مبارکہ چھ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اپنے مضامین کے اعتبار سے یہ سورۃ الانعام اور سورۃ النمل سے بہت مشابہ ہے۔ اس کے بالکل آغاز میں جو پیشین گوئی کی گئی ہے وہ قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے اور محمد ﷺ کا اللہ کے رسولِ برحق ہونے کی نمایاں ترین شہادتوں میں سے ایک ہے۔ اس حوالے سے تاریخی واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ سے کئی سو سال قبل سے عرب کے شمال میں سلطنتِ روما اور سلطنتِ فارس (ایران) دو عظیم طاقتیں (super powers) تھیں، جن کے مابین ہمیشہ کشمکش جاری رہتی تھی۔ حضور ﷺ کے مکی دور کے درمیانی زمانہ میں ایرانیوں کے ہاتھوں رومیوں کو زبردست ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اُس وقت مکہ کی سرزمین پر حق و باطل کی جو کشمکش ہو رہی تھی اُس پر اِس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ مکہ کے مشرکین نے بغلیں بجانی شروع کر دیں۔ اس لیے کہ رومی عیسائی اہل کتاب تھے جبکہ ایرانی مجوسی یعنی آگ کے پجاری تھے۔ مشرکین نے مسلمانوں کو چڑایا کہ دیکھو جن سے تمہیں کوئی نسبت ہے، یعنی رومی عیسائی اہل کتاب، ان کو شکست ہو گئی ہے اور جن سے ہماری کوئی نسبت ہے یعنی ایرانی مجوسی ان کو فتح حاصل ہوئی ہے۔ اس سے اہل ایمان کو کچھ افسردگی ہوئی۔ چنانچہ ان حالات میں یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی، جس میں اہلِ روم کے غالب ہونے کی پیشین گوئی کی گئی۔ ارشاد ہوا:

﴿الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ③﴾

''ال م۔ رومی قریب کی سرزمین (شام) میں مغلوب ہو گئے ہیں، لیکن یہ اس کے بعد عنقریب دوبارہ غالب آجائیں گے۔''

ان دونوں حکومتوں کے درمیان شام و عراق کا علاقہ ہی میدانِ جنگ بنتا تھا، کبھی ایرانی رومیوں سے اس کو چھین لیتے تھے اور کبھی رومی آگے بڑھ کر ایرانیوں سے یہ علاقہ چھین لیتے تھے۔ ﴿فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۬ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ﴾ ''چند ہی سالوں میں۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی''۔ ﴿وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٤﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ﴾ ''اُس دن اہلِ ایمان بہت خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے''۔ ﴿يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٥﴾ ﴾ ''وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔ وہ زبردست اور رحیم ہے''۔ ﴿وَعْدَ اللّٰهِ ﴾ ''یہ اللہ کا وعدہ ہے''۔ ﴿لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦﴾ ﴾ ''اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ یہ جانتے نہیں''۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نو سال بعد ہرقل نے ایرانیوں کو غیر متوقع عظیم شکست سے دوچار کیا۔ اور یہ عین وہی موقع ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو کفار پر میدانِ بدر میں فتح مبین عطا فرمائی۔ یوں اہل ایمان کے لیے یہ دہری خوشی تھی۔

آگے بڑی پیاری آیت ہے:

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٧﴾ ﴾

''وہ دنیا کے صرف ظاہری پہلو کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں''۔

اگلی آیات میں ان غافلین کو مختلف انداز میں تنبیہہ کی جا رہی ہے:

''کیا انہوں نے کبھی اپنے دل میں غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' برحق اور ایک وقت مقررہ کے لیے پیدا کیا ہے؟ مگر بہت سے لوگ اپنے ربّ کی ملاقات کے منکر ہیں۔ اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ انہیں اپنے سے پہلے والوں کا انجام نظر آتا؟ وہ لوگ ان سے قوت میں بھی کہیں بڑھ کر تھے اور انہوں نے زمینیں بھی جوتی تھیں اور زمین کو جس قدر اِن لوگوں نے آباد کیا ہے اس سے بہت زیادہ اُن لوگوں نے آباد کیا تھا اور ان کے پاس بھی ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے تھے۔ پھر اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے مگر انہوں نے (نہ مان کر) خود اپنے اوپر ظلم کیا''۔ (آیات ۸ تا ۱۰)

اس حوالے سے اگر آج ہم اپنا تجزیہ کریں تو ہم بھی غافلین ہی میں شامل نظر آتے ہیں' اگرچہ ہم آخرت کو عقیدہ کے طور پر مانتے ہیں لیکن ہماری تمام سعی و جہد اور بھاگ دوڑ صرف اس دنیا ہی کے لیے ہے۔

آیات ۱۵ اور ۱۶ میں مؤمنین اور کافرین کے انجام کا تقابل کے انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

''بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ باغات میں ہوں گے اور ان کی خوب آؤ بھگت ہوگی۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں اور آخرت کی ملاقات کا انکار کیا وہ لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے''۔

آیات ۱۷ اور ۱۸ میں پانچوں نمازوں کے اوقات کا ذکر ہے۔ فرمایا:

''پس پاکی بیان کرو اللہ کی شام کے وقت (مغرب و عشاء)' صبح کے وقت (فجر)'...... پچھلے پہر (عصر) اور دوپہر کے وقت (ظہر)''۔

ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت و عظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ ''آفتاب'' عالمِ اجسام کا سب سے روشن کرّہ ہے جس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض و تاثیر سے شاید ہی کوئی مادی مخلوق مستثنیٰ ہو' اسی بنا پر ستارہ پرستوں نے اسے ''معبودِ اکبر'' قرار دیا تھا۔ ان مذکورہ پانچ اوقات میں آفتاب کے عجز و بیچارگی کا کھلا مظاہرہ ہوتا ہے۔

سورت کے تیسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے درج ذیل نشانیوں کا تذکرہ فرمایا گیا: (۱) زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنا (۲) بنجر زمین کو قابل کاشت بنانا (۳) انسان کو مٹی سے پیدا کرنا (۴) انسان کا اسی کی قسم سے جوڑا بنانا اور آپس میں محبت والفت ڈالنا (۵) آسمانوں اور زمین کا بنانا (۶) رات دن کا بنانا (دن کو روزی کی تلاش اور رات کو نیند کے لیے) (۷) آسمان سے بارش برسانا (۸) زمین و آسمان کو اپنے حکم سے کھڑا کرنا۔ ان نشانیوں کے تذکرے کے بعد فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ﴾ ''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا اور وہی دوبارہ لوٹائے گا اور یہ (دوبارہ لوٹانا) اس پر زیادہ آسان ہے''۔ یہ فرما کر منکرین آخرت کے منہ بند کر دیے جو دوبارہ لوٹائے جانے کے انکاری تھے۔ (آیات ۱۹ تا ۲۷)

چوتھے رکوع میں ایک نہایت اہم مضمون آیا ہے کہ دین اسلام ہی دین فطرت ہے' اس میں کوئی غیر فطری قدغن نہیں لگائی گئی ہے۔ اوّلاً حضور ﷺ کو اور آپؐ کے توسط سے تمام اہلِ ایمان کو مخاطب کیا گیا کہ یکسو ہو کر اپنے چہرے کو اللہ کے دین کی طرف سیدھا رکھو' اِدھر اُدھر نہ بھٹکو۔ یہی دین قیم ہے' لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہو' اُسی کا تقویٰ اختیار کرو۔ نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقہ بندی اور گروہ بندی کا شکار ہو گئے۔ (آیات ۳۰۔۳۱)

سورۂ مبارکہ کے آخر میں یہ مضمون آیا کہ ان کے مطالبہ پر ہم اگر ان کو کوئی نشانی دکھا بھی دیں تب بھی یہ ماننے والے نہیں۔ اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو علم نہیں رکھتے' مہر کر دیا کرتا ہے۔ اور اے نبی ﷺ! آپ صبر کیجیے' اللہ کا وعدہ سچا ہے اور پورا ہو کر رہے گا۔ اور یہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے' کہیں آپ کو ہلکا اور کمزور نہ کر دیں۔ لہٰذا پوری قوت کے ساتھ جمے رہیے اور دعوت دیتے رہیے۔ (آیات ۵۸ تا ۶۰)

سُورۃ لُقمان

سورۂ لقمان چار رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی آیات سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات سے کافی مشابہت رکھتی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ کے شروع میں ﴿هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۲﴾﴾ اور یہاں ﴿هُدًی وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳﴾﴾ فرمایا۔ وہاں تقویٰ کا ذکر ہے اور یہاں احسان کا جو ایک بلند تر مقام ہے۔ تقویٰ کی حیثیت بنیاد کی ہے۔ فرمایا کہ یہ محسنین نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر فی الواقع یقین رکھتے ہیں۔ یعنی ایمان بالآخرۃ صرف عقیدہ کے طور پر نہ ہو بلکہ سیرت و کردار میں یہ تمام صفات موجود ہوں تبھی آخرت پر حقیقی ایمان موجود ہوگا۔ ان کے بارے میں فرمایا: ''یہی لوگ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہیں۔'' (آیات ۱ تا ۵)

آیت ۶ ہمارے دور کے لحاظ سے خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ کلچر کے نام پر شیطان نے رقص و سرود اور ان جیسی نمعلوم کتنی چیزیں ایجاد کی ہیں جن کا مقصد انسان کو ان مشاغل میں اس طرح مصروف رکھنا ہے کہ کبھی اللہ کی طرف اس کا دھیان ہی نہ ہو۔ ارشاد ہوا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو لہو ولعب کی چیزیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے گمراہ کریں اور بن سمجھے (اللہ کے دین اور اس کے راستہ کو) ہنسی مذاق بناتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''☆

اس سورۃ کا دوسرا رکوع بہت اہم ہے جس میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی گئی وصیت بیان ہوئی ہے۔ یہ رکوع ہمارے ''مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب'' میں بھی شامل ہے۔ حضرت لقمان نہ تو نبی تھے نہ رسول اور نہ ہی کسی نبی کے اُمتی تھے' بلکہ ایک سلیم الفطرت انسان تھے۔ سورۃ الروم میں ہم نے پڑھا کہ یہ دین دینِ فطرت ہے۔ چنانچہ سلیم الفطرت اور سلیم العقل شخص اپنے غور وفکر کے نتیجے میں اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کی دعوت اللہ کا کوئی پیغمبر دیتا ہے۔ اس کی گواہی اور مثال کے طور پر حضرت لقمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ڼ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

''اور ہم نے لقمان کو حکمت اور دانائی عطا فرمائی تاکہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے۔ (معلوم ہوا کہ حکمت اور دانائی وہی ہے جس کے نتیجے میں اللہ کے شکر کی کیفیت پیدا ہو۔) اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کو کرتا ہے' اور جو کوئی کفرانِ نعمت کی روش اختیار کرتا ہے تو اللہ غنی اور حمید ہے (وہ کسی کے شکر کا محتاج نہیں ہے)۔ اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بچے اللہ کے ساتھ ہرگز شرک نہ کرنا' یقیناً شرک بڑی ہی ناانصافی اور بہت بڑا ظلم ہے۔''

آیات ۱۴۔۱۵ کا پس منظر یہ ہے کہ اُس وقت مؤمنین کو اپنے آباء واَجداد کی جانب سے سخت دباؤ کا سامنا تھا کہ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ آؤ جو درحقیقت شرک پر مبنی تھا۔ اس حوالے سے وصیت کی گئی کہ اپنے والدین اور خصوصاً ماں سے حسن سلوک کرو۔ آگے فرمایا: ''اور اگر وہ (والدین) تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرا شریک مان اس کو جو تجھے معلوم نہیں' تو ان کا کہنا مت مان' البتہ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ' اور چل اُس شخص کے طریق پر جو میری طرف رجوع کیے ہوئے ہو۔''

آیات ۱۷ تا ۱۹ میں ایک باپ (حضرت لقمان) اپنے بیٹے کو چند باتوں کے بجالانے اور چند باتوں سے دور رہنے کی تلقین کر رہا ہے۔ یہ اوامر ونواہی آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فرمایا:

''اے بیٹے نماز قائم کر' اچھائی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور مصائب پر صبر کر کہ یہ کام باہمت لوگوں کا

☆ ''لهو الحديث'' کی تعریف حضرت حسن بصریؒ سے یوں منقول ہے: كل ما شغلك عن عبادة الله وذكره من السمر والاضاحيك والخرافات والغناء ونحوها یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو' مثلاً فضول قصہ گوئی' ہنسی مذاق کی باتیں' واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ۔

ہے۔اپنے گال لوگوں کے لیے مت پھلا (یعنی تکبر مت کر) اور زمین میں اکڑ کر مت چل کہ اللہ کو کوئی متکبر اور اترانے والا پسند نہیں۔ اپنی چال درمیانی رکھ اور اپنی آواز پست رکھ یقیناً بری سے بری آواز گدھے کی ہے (کیونکہ وہ گلا پھاڑ کے آواز نکالتا ہے)۔''

آیت ۳۳ میں یہ واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے دن والدین اور اولاد ایک دوسرے کے کام نہ آسکیں گے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۟ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾﴾

''اے لوگو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اُس دن سے ڈرتے رہو کہ جس دن نہ کوئی اولاد اپنے والد کے کام آسکے گی اور نہ والد اپنے اولاد کے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے' پس دیکھنا کہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے' اور وہ بہت بڑا دھوکہ باز (یعنی شیطان) تمہیں دھوکہ میں مبتلا نہ کر دے۔''

اس سورۃ کی آخری آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے قرآن کی اہم ترین آیات میں سے ایک ہے۔ اس میں پانچ چیزوں کا تذکرہ ہے جن کا کلی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ احادیث میں ان مذکورہ پانچ چیزوں کو ''مفاتیح الغیب'' فرمایا گیا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾﴾

''یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم۔ اور وہی بارش برساتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحمِ مادر میں ہے۔ اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم ہے کہ اس کی موت کس زمین پر واقع ہوگی۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور باخبر ہے۔''

موجودہ دور میں اس حوالے سے ایک اشکال پیدا ہوا ہے کہ جینیٹک سائنس اس درجہ ترقی کر گئی ہے کہ قطعیت وحتمیت کے ساتھ اب یہ پیشین گوئی کرنا ممکن ہو گیا ہے کہ رحمِ مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ اس اشکال کی وجہ یہ ہے کہ اب تک اس آیت کا مفہوم جو لوگوں کے ذہنوں میں رہا ہے وہ واقعی یہی تھا کہ ان پانچ باتوں کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں ہے۔ اس کا ایک جواب اگرچہ یہ بھی دیا جاتا ہے کہ جینیٹک سائنس کی پیشین گوئی سو فیصد یقینی نہیں ہوتی' لیکن اصل بات جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں' وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ مذکورہ بالا پانچ چیزوں میں سے تین کو تو اُس نے مثبت طور پر (positively) بیان کیا ہے کہ ان ان چیزوں کا علم اللہ کو ہے' لیکن دو چیزوں کے بارے میں دوٹوک انکار (Categorically deny) کیا ہے کہ یہ کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ یہ جو اسلوبِ بیان کا فرق ہے میرے نزدیک یہی قرآن کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ وہ دو چیزیں یہ ہیں کہ کسی کو نہیں معلوم کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا اور کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کی موت کس زمین پر واقع ہوگی —— ان دو باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ باقی جو چیزیں مثبت انداز میں بیان ہوئی ہیں کہ ان ان چیزوں کا علم اللہ کو ہے' اس میں لازماً وہ نصِ قطعی نہیں آتی کہ کسی اور کو ان کا علم نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سُوْرَةُ السَّجْدَة

یہ سورۂ مبارکہ تین رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کا زمانہ نزول مکہ مکرمہ کا تقریباً وسطی دور ہے۔ اس کے پس منظر میں ظلم وستم کی وہ شدت نظر نہیں آتی جو گزشتہ دو سورتوں میں نظر آتی ہے۔

قرآن کریم کی دو سورتیں اپنے اسلوب کے اعتبار سے منفرد ہیں' ایک سورۃ یٰسین اور دوسری سورۃ السجدۃ۔ ان کا انداز ایسا ہے جیسے دل کی دھڑکن ہوتی ہے اور یہ دونوں سورتیں متحرک معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی آیات اور مضامین باہم اس قدر مربوط اور جڑے ہوئے ہیں کہ کسی ایک آیت کو علیحدہ رکھ کر سمجھنا ممکن معلوم نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کو اس سورۂ مبارکہ سے خاص تعلق تھا اور جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں آپؐ بالعموم اسی سورۃ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ سورۃ کا موضوع توحید' آخرت اور رسالت کے متعلق لوگوں کے شبہات کو رفع کرنا اور ان تینوں حقیقتوں پر ایمان کی دعوت دینا ہے۔

سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے:

﴿الٓمّٓ ① تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ②﴾

''ال م۔ اس کتاب کا اتارا جانا بلاشبہ اللہ ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔''

آگے فرمایا:

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کتاب کو اس شخص (یعنی محمد ﷺ) نے گھڑ لیا ہے؟ (نہیں' اے پیغمبر!) بلکہ یہ حق ہے آپؐ کے پروردگار کی طرف سے' تاکہ آپؐ خبردار کر دیں اُس قوم کو جس کے پاس پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ راہِ راست پر آجائیں۔''

اس کے بعد آسمان وزمین کی تخلیق کا ذکر ہے۔ پھر آیات ۷ تا ۱۱ میں انسان کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد منکرین آخرت کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں پھر زندہ کرے گا اور تمہیں تمہارے اعمال کی جزا ملے گی۔ فرمایا:

''(اللہ ہی وہ ذات ہے) جس نے ہر چیز کو خوبصورت بنایا اور انسان کی پیدائش کا آغاز گارے سے کیا۔ پھر اس کی نسل کو نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے بنایا۔ پھر اس کو (نک سک سے) درست کیا اور پھونکی اس میں اپنی روح اور بنا دیے تمہارے لیے کان' آنکھیں اور دل۔ تم بہت تھوڑا شکر کرتے ہو۔ اور (یہ منکرین) کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں مرکھپ جائیں گے تو کیا ہمیں نیا بننا ہے! بلکہ وہ اپنے رب سے ملاقات ہی کے منکر ہیں۔ (اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے تم کو موت کا فرشتہ قبض کر لیتا ہے جو تم پر مقرر ہے اور پھر تم اپنے رب کی طرف پھیرے جاؤ گے۔''

آیات ۱۵'۱۶ میں اہل ایمان کی ان صفات کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا گیا:

''ہماری آیات پر بس وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان آیات کے ذریعے سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے ربّ کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرنے لگتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔

ان کے پہلو رات کے وقت اپنے بستروں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں خوف اور اُمید کے ساتھ اور جو کچھ بھی ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔''

اس کے بعد فرمایا:

﴿فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۷﴾﴾

''پس کسی کو علم نہیں کہ کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اُن کے لیے (خزانۂ غیب میں) مخفی رکھا گیا ہے۔ یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا۔''

جنت کی نعمتوں کے بارے میں ایک حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ)) (متفق علیہ) یعنی وہاں اہل ایمان کے لیے وہ کچھ موجود ہوگا جو (دنیا میں) نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا گمان ہی گزرا۔

اس کے بعد مؤمن اور فاسق کا انجام کے حوالے سے موازنہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

''بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ جو شخص مؤمن ہو وہ اس شخص کے برابر ہو جائے جو نافرمان ہو؟ (نہیں' یہ دونوں ہرگز) برابر نہیں ہو سکتے۔ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کا ٹھکانہ جنت ہے' جو ان کے اعمال کے سبب ان کی مہمانی ہے۔ اور جو لوگ نافرمانی کرتے رہے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب بھی وہ اس عذاب سے نکلنا چاہیں انہیں اس میں دوبارہ لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ چکھو آگ کا عذاب جس کا تم انکار کرتے تھے۔'' (آیات ۱۸ تا ۲۰)

آگے ارشاد ہوا:

﴿وَ لَنُذِیۡقَنَّهُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰی دُوۡنَ الۡعَذَابِ الۡاَكۡبَرِ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۱﴾﴾

''اور ہم ان کو قریب کے عذاب (کا مزا) بھی اس بڑے عذاب کے علاوہ چکھا کر رہیں گے' شاید کہ یہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ایک اہم قانون کا حوالہ ہے کہ اس اُمت پر چھوٹے چھوٹے عذاب جن کی حیثیت تنبیہات کی ہوتی ہے' قیامت تک آتے رہیں گے' لیکن نسیاً منسیا کر دینے والا عذابِ استیصال جو ان چھوٹے عذابوں کے بعد آتا ہے' جیسے کہ قومِ نوح' قومِ عاد اور قومِ ثمود وغیرہ پر آیا' اس کا اب اندیشہ نہیں' اس لیے کہ وہ رسالت کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی کوئی رسول آ کر کسی قوم پر اتمامِ حجت کر دے' لیکن وہ قوم اس کے باوجود انکار کر دے تو وہ قوم عذابِ استیصال کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ اب چونکہ تا قیامِ قیامت کوئی اور رسول نہیں آئے گا اس لیے وہ جڑ کاٹ دینے والا عذاب بھی نہیں آئے گا۔

خاتمہ کلام پر نبی کریم ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا گیا کہ یہ لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے آپ سے فیصلہ کن فتح کا وقت پوچھتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجیے کہ جب فیصلے کا وقت آ جائے گا تو اس وقت کافروں کا ایمان لے آنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا' (لہٰذا ابھی مان لو بجائے اس کے کہ اُس وقت کے انتظار میں بیٹھے رہو۔) پس اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کی باتوں کی کچھ پروا نہ کریں اور انتظار کریں' یہ بھی منتظر ہیں۔ (آیات ۲۸ تا ۳۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سُوْرَۃُ الْاَحزَاب

سورۃ الاحزاب نو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں تین اہم واقعات کا ذکر ہے، یعنی غزوۂ احزاب، غزوۂ بنی قریظہ اور رسول اللہ ﷺ کا حضرت زینب ؓ سے نکاح۔ یہ تینوں واقعات ۵ ھ میں پیش آئے، لہٰذا یہی اس سورۃ کا زمانہ نزول ہے۔ اس زمانہ میں نئے مسلم معاشرے کی تعمیر اور زندگی کے ہر گوشہ میں اصلاح کا کام جاری رہا۔ قوانینِ نکاح وطلاق اس عرصہ میں تقریباً مکمل ہو گئے، وراثت کا قانون بنا، شراب اور جوئے کو حرام کیا گیا اور معیشت و معاشرت کے حوالے سے بہت سے نئے ضابطے نافذ کیے گئے۔

اس ضمن میں ایک نہایت اہم مسئلہ اصلاح کا متقاضی تھا اور وہ تھا متبنّٰی یعنی لے پالک یا منہ بولے بیٹے کا مسئلہ۔ چنانچہ اس سورۂ مبارکہ کا پہلا رکوع اسی سے متعلق ہے۔ دنیا کے دوسرے علاقوں کی طرح عربوں میں بھی یہ رواج تھا کہ کوئی شخص اگر کسی کو اپنا بیٹا بنا لیتا تھا تو ہر معاملہ میں اس کی حیثیت اصل بیٹے کی سی ہو جاتی تھی۔ قرآن نے اس دستور کو ختم کیا۔ بتادیا گیا کہ بیٹا وہی ہے جو اپنے باپ کی صُلب سے ہو اور ماں وہی ہے جس نے اس کو جنا ہو۔ معاشرہ میں منہ بولے بیٹے کو جو تقدس حاصل تھا اس کو ختم کرنا مقصود تھا، لیکن یہ تقدس صرف قانونی طور پر اتنی بات کہہ دینے سے ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ صدیوں کے جمے ہوئے تعصبات واوہام کو ختم کرنے کے لیے کسی انقلابی اقدام کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کی مطلقہ حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ یہ بات ان کے سابقہ رسم و رواج کے تحت انتہائی معیوب تھی، لیکن اس رسم و رواج کو ختم کرنا اسی طرح ممکن تھا۔ چونکہ معاملہ ایسا تھا کہ اس پر شدید مخالفانہ پراپیگنڈہ ہونے کا امکان تھا، چنانچہ سورۃ کے آغاز ہی میں فرمایا گیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ① وَّ اتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ② وَّ تَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ③﴾

''اے نبی! اللہ کا تقویٰ اختیار کیجیے اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیے، بے شک اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ اور جو کچھ آپ پر وحی کیا جا رہا ہے اسی کا اتباع کیجیے یقیناً اللہ اس سے باخبر ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو۔ اور (اے نبیؐ) اللہ پر توکل کیجیے (کسی کی مخالفت اور کسی اعتراض کی کوئی پروانہ کیجیے) اور کارساز ہونے کے اعتبار سے اللہ ہی کافی ہے۔''

سورۂ مبارکہ کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے۔ جن حالات میں یہ غزوہ واقع ہوا وہ سب کے علم میں ہیں۔ اس موقع پر اہل ایمان کی شدید ترین آزمائش ہو گئی۔ ایسی صورت میں جبکہ ایک چھوٹی سی بستی جو چند ہزار گھروں پر مشتمل ہے، بستی کے اندر مارِ آستین یعنی یہودی موجود ہیں جو عین وقت پر پیٹھ میں خنجر گھونپ سکتے ہیں، بارہ ہزار کے لشکر نے اُس بستی کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ ایسی پریشان کن صورت

حال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو اچھی طرح جانچ اور پرکھ لیا۔ اس کا ذکر یوں کیا گیا:

''اے اہلِ ایمان! یاد کرو اللہ کی اُس نعمت کو جو تم پر اُس وقت ہوئی جبکہ تم پر چڑھ آئے تھے لشکر (یہ لشکر تین طرف سے آئے تھے: شمال سے یہودی' مکہ سے قریش اور مشرق سے قبائلِ غطفان) تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے' اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ جب وہ (لشکر) تم پر چڑھ آئے اوپر اور نیچے کی طرف سے اور جب نگاہیں کج ہو گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اُس وقت اہل ایمان کا امتحان لیا گیا اور انہیں ہلا ڈالا گیا پوری شدت کے ساتھ۔'' (آیات ۹ تا ۱۱)

امتحان و آزمائش کے دو ہی نتیجے نکلتے ہیں' پاس یا فیل۔ ایک طرف انسان کی عزت بڑھتی ہے تو دوسری جانب وہ ذلیل ورسوا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر منافقین ناکام ہو گئے اور مخلص اہل ایمان کامیاب ہو گئے۔ آیت ۱۲ میں منافقین کا قول نقل ہوا ہے کہ: ﴿مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ یعنی ''اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جھوٹے وعدے کیے''۔ ہمیں دھوکہ دے کر مروا دیا۔ ہمیں تو امید دلائی گئی تھی کہ تمہیں قیصر و کسریٰ کے خزانے ملیں گے' حکومت ملے گی اور حال یہ ہے کہ ہم رفع حاجت کے لیے بھی باہر نہیں نکل سکتے۔

اس کے برعکس مخلص اہلِ ایمان کے کردار کا تذکرہ تیسرے رکوع میں آ رہا ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا﴾

''اے مسلمانو تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی شخصیت میں بہترین نمونہ ہے' ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور روزِ آخرت (کی ملاقات) کا امیدوار ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔''

ہم نے اس آیت سے چھوٹی چھوٹی سنتیں' وضع قطع اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں حضور ﷺ کی پیروی کر لینا مراد لے رکھا ہے' جبکہ اصل میں تو نبی اکرم ﷺ کا جو کردار غزوۂ احزاب میں نمایاں ہو کر آ رہا ہے وہ ہے اصل اُسوہ حسنہ جس کی طرف یہاں اہل ایمان کو توجہ دلائی جا رہی ہے کہ ہمارے رسول (ﷺ) کو دیکھو! غزوۂ احزاب کی بے انتہا سختیوں میں کیسے صبر و استقلال سے ڈٹے رہے اور اہل ایمان کے ساتھ بنفس نفیس خندق کی کھدائی میں مصروف رہے۔ بطور قائد اور سپہ سالار آپ کے پائے استقامت میں ذرا بھی جنبش نہیں آئی۔ چنانچہ اہل ایمان سے فرمایا جا رہا ہے کہ ہر معاملے میں' خاص طور پر ہمت و استقلال میں رسول اللہ ﷺ کو اپنا آئیڈیل بنائیں۔

آگے فرمایا کہ جب اہل ایمان نے ان لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے: ﴿هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ ''یہی تو ہے جس کا ہم سے وعدہ کیا تھا اللہ اور اس کے رسولؐ نے' اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا'' اور اس واقعے نے اُن کے ایمان اور شیوۂ فرماں برداری ہی میں اضافہ کیا۔ اہلِ ایمان میں وہ جواں مرد ہیں کہ جنہوں نے سچ کر دکھایا وہ عہد کہ جو انہوں نے اپنے پروردگار سے کیا تھا۔ ان میں وہ بھی ہیں کہ جو اپنی نذر گزار چکے اور باقی جو ہیں وہ منتظر ہیں کہ کب ہمارا وقت آئے (کہ ہماری بھی گردنیں اللہ کی راہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کٹیں اور ہم سبکدوش اور سرخرو ہو جائیں۔) انہوں نے اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقین کو چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق دے دے۔ یقیناً اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (آیات ۲۲ تا ۲۴)

چوتھے رکوع میں خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے خطاب ہے کہ تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو بلکہ اہل ایمان عورتوں کے لیے نمونہ ہونے کے اعتبار سے تمہاری خصوصی حیثیت اور ذمہ داری ہے۔ ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ ''اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو'' کی ہدایت دے کر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے۔ کسی غیر محرم سے بات کرنی ہی پڑ جائے تو آواز میں کسی قسم کی لوچ نہ ہو تاکہ کسی خبیث شخص کے دل میں خواہ مخواہ کوئی برا خیال یا اُمید چٹکیاں نہ لینے لگے۔ پانچویں رکوع کے آغاز میں اہلِ ایمان مَردوں اور عورتوں کی دس صفات بیان فرمائی گئیں کہ ان تمام خیرات وحسنات' نیکیوں اور بھلائیوں میں مرد وعورت برابر ہیں۔

ساتویں رکوع میں اہل ایمان کو نبی اکرم ﷺ کے گھروں میں حاضر ہونے کے آداب بتلائے گئے۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ جب ازواجِ مطہرات سے کوئی چیز لینی ہو تو پردے کے پیچھے سے طلب کریں۔ آٹھویں رکوع کے آغاز میں گھر سے باہر کے پردے کے بارے میں ہدایت دی گئی:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾﴾

''اے نبی (ﷺ) اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ اس سے وہ جلد پہچان لی جائیں گی اور انہیں ستایا نہ جائے گا۔ اور اللہ غفور و رحیم ہے۔''

آیت ۶۳ میں قیامت کے حوالے سے لوگوں کے سوال کو پھر دہرایا گیا کہ کب آئے گی؟ اس کا جواب دیا گیا کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ آخر میں انسان کو اللہ نے یہ احساس دلایا کہ دنیا میں اس کی حقیقی حیثیت کیا ہے۔ خلافتِ ارضی کے حوالہ سے بتایا گیا کہ یہ جو انسان کو عطا کی گئی ہے یہ اتنی گراں بار ہے کہ آسمان' زمین اور پہاڑ اس کو اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ اب اس بارِ امانت کو اٹھانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ منافقین اور مشرکین کو سزا دے اور مؤمنین کی توبہ کو قبول کرے۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔